شاہ ولی اللہ کا نظریۂ ریاست

عمر فاروق خان ملک پور مانسہرہ

اس سلسلے کے پہلے مضمون میں میں یہ بتا چکا ہوں کہ شاہ ولی اللہ صاحب اس برّصغیر کے اُس دور میں ہوئے ہیں، جب یہاں کا جاگیرداری نظام رو بہ زوال تھا۔ اور ایشیا کے دوسرے ملکوں کی طرح اس برصغیر میں ابھی نمائندہ طرزِ حکومت کا تصور اہل فکر و نظر کے دماغوں میں نہیں آیا تھا۔ ان حالات میں ظاہر ہے، ملّت کی حفاظت اور اس کے احوال کی اصلاح کی عملی صورت یہی ہو سکتی تھی کہ شاہ صاحب ہندوستان کی مرکزی حکومت کو مضبوط بنانے کی کوشش کرتے روہیلوں کے سردار نجیب الدولہ اور ماوراء دریائے سندھ کی نئی ابھرتی ہوئی افغان طاقت کے سربراہ احمد شاہ ابدالی کی طرف خاص طور پر شاہ صاحب کا رجوع کرنا اور ان سے استمداد اسی سلسلے کی کڑیاں ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ہم شاہ صاحب کے ہاں یہ رجحان فکر بھی پاتے ہیں کہ اگر مسلمانوں کی ہیئت حاکمہ ان کی حفاظت نہ کر سکے، تو پھر عام مسلمانوں کا فرض ہو جاتا ہے کہ وہ خود اپنی حفاظت کے لئے اٹھ کھڑے ہوں، شاہ ولی اللہ کے بعد ان کے صاحبزادے شاہ عبدالعزیز نے ان کے اسی رجحان فکر کو ایک تنظیمی شکل دی، اور بعد میں سید احمد شہید اور شاہ اسماعیل شہید نے اسے ایک عوامی تحریک میں بدلا اس کے تحت اپنا سیاسی مرکز بنایا، اور دشمنوں سے جہاد کیا۔

شاہ ولی اللہ کے دور میں اور اس سے پہلے ایک عرصہ دراز تک مسلمانوں کے ہاں بالعموم "السلطان ظل اللہ" کا تصور پایا جاتا تھا، جس کے عملاً معنی یہ ہوتے تھے کہ اقتدار کا مصدر و سرچشمہ بادشاہ ہے۔ شاہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ میں ہیئتِ حاکمہ کے بارے میں جن خیالات کا اظہار فرمایا ہے، وہ اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ وہ حاکمیت کو منزّل من اللہ نہیں، بلکہ لوگوں کی مقرر کردہ مانتے ہیں۔ چنانچہ آپ ارتفاق ثالث کے ضمن میں لکھتے ہیں:-

"..... جب لوگوں میں باہم معاملات ہوتے ہیں، تو ان میں بخل، حرص، حسد، سستی اور انکار و اقرار کی بناء پر منازعت کے جراثیم پھیل جاتے ہیں۔ اور یہ جراثیم ان کی طبیعتوں میں سرایت کر جاتے ہیں۔ اور اس سے باہمی اختلافات کی طرح پڑتی ہے۔ ایسے لوگ ان میں پیدا ہو جاتے ہیں، جن پر ناپاک خواہشات غالب ہوتی ہیں، یا ان میں ایسے لوگ بھی موجود ہوتے ہیں، جن کی جبلت میں قتل و غارت گری کی جرأت ہوتی ہے۔ اور ان میں جو باہمی فائدے کے ارتفاقات ہوتے ہیں، ان میں کا کوئی ایک شخص ان کو قائم نہیں کر سکتا۔ یا یہ کہ ان ارتفاقات کا ان میں قائم کرنا آسان نہیں ہوتا۔ یا یہ کہ ان کو نافذ کرنے کی ہمت نہیں رہتی۔ اس لئے لوگ مجبور ہو جاتے ہیں کہ وہ اپنے لئے ایک ایسا حاکم منتخب کریں، جو عدل و انصاف کے ساتھ ان میں قضایا کا فیصلہ کیا کرے۔"

یعنی باہمی فائدے کے ارتفاقات کے قیام کے لئے معاشرے کو حاکم کی ضرورت پڑتی ہے اور اسے لوگ خود مقرر کرتے ہیں۔ اب اس حاکم کے کیا فرائض ہیں؟ ان کی تفصیل شاہ صاحب ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

اس کا فرض ہے کہ وہ عدل و انصاف کے ساتھ قضایا کا فیصلہ کرے۔ مجرموں کو سزا دے، سرکشوں سے بدلہ لے۔ ان سے خراج وصول کرے اور اسے صحیح مصارف اور اصلاحی امور میں خرچ کرے۔"

شاہ صاحب کے نزدیک یہ معاشرے کا ارتفاق ثالث ہے اور اس سے ارتفاق رابع منتج ہوتا ہے، جس کا حاصل "خلافت کبریٰ" ہے۔ یعنی اپنے لئے لوگ ایک خلیفہ مقرر کرتے ہیں، جو مختلف ملکوں کے حاکموں کو قابو میں رکھتا ہے۔

علم سیاست کا ایک مشہور مقولہ ہے کہ جیسے لوگ ہوتے ہیں، ویسی ہی ان کو حکومت میسر آتی ہے۔ شاہ صاحب نے بھی حجۃ اللہ البالغہ میں ایک جگہ کم و بیش یہی بات کہی ہے فرماتے ہیں:۔ "خلفاء میں ایک دوسرے سے اختلاف رعایا کے حالات اور ان کی عادات کے لحاظ سے ہوتا ہے۔ جس قوم کے طبائع سخت ہوا کرتے ہیں، وہ ملوک و خلفاء کی زیادہ محتاج ہوا کرتی ہے، بہ نسبت ان لوگوں کے جن میں بخل و تنگ نظری ان کی نسبت کم ہوتی ہے"

قیادت خود عوام میں سے ابھرتی ہے، اور وہ انہیں منظم کر کے اور ان کے بل پر عنان اقتدار کی حامل بن جاتی ہے۔ اس اجتماعی مظہر کی شاہ صاحب یوں نشان دہی فرماتے ہیں۔ لکھتے ہیں:۔ "لوگوں کو باہمی معاملات کے لئے ایک دوسرے کی اعانت کی ضرورت پڑتی ہے۔ اس ضمن میں یہ بھی ہوتا ہے کہ لوگوں میں کوئی ایسا شخص آگے آتا ہے جس کی رائے

جانب اور قوت گرفت سخت ہوتی ہے۔ وہ دوسروں کو اپنی قوت سے مسخر کر سکتا، ان پر کسی نہ کسی انہج سے اپنی سرداری کا سکہ جما سکتا ہے اور انہیں صراط مستقیم پر چلانے کی کوشش کر سکتا ہے۔ قدرتاً یہ شخص ان لوگوں کا سردار اور قائد بن جاتا ہے۔

شاہ صاحب کے نزدیک یہ اجتماعی مظہر انسانی معاشرے کا ایک فطری تقاضا ہے اسی طرح معاشرے کا اپنے لئے قوانین بنانا، یہ بھی اس کا فطری تقاضا ہے۔ فرماتے ہیں:۔
آسی میں سے یہ بھی ہے کہ ان لوگوں کے پاس کچھ ایسے مسلمہ قوانین موجود ہوں، جن کے ذریعہ وہ اپنے باہمی تنازعات کا فیصلہ کر سکتے ہوں۔ ظالموں اور سرکشوں کو زیر کر سکتے ہوں۔ اور جو لوگ ان کے خلاف برسر پیکار ہوں، ان سے جنگ کر سکتے ہوں۔ اور یہ تو ایک لابدی امر ہے کہ ہر قوم میں کچھ لوگ ایسے موجود ہوا کرتے ہیں، جو مہتم بالشان امور میں ایسے اصول و قوانین مستنبط کرتے رہتے ہیں، جن کی عام لوگ پیروی کرتے رہتے ہیں۔

قیادت خواہ وہ ایک شخص کی ہو، یا ایک خاندان کی، یا ایک پارٹی کی، نیز معاشرے میں ایسے اصول و قوانین کا ہونا، جن کی عام لوگ پیروی کریں۔ یہ ایک منظم ریاست کے اولیات میں سے ہیں۔ شاہ صاحب کے نزدیک ان دونوں چیزوں کا سرچشمہ خود معاشرہ ہے۔ اور انہیں وہ ارتفاق اول کے تحت ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:۔ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر یہ عظیم ترین احسان ہے کہ اس نے قرآن حکیم میں ارتفاق و تدابیر کے تمام الہامی شعبوں کو واضح کر دیا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کو یہ علم تھا کہ قرآن حکیم کے مکلف عموماً ہر قسم کے لوگ ہوں گے۔ اور تمام لوگوں پر ارتفاق کی جو نوع مشتمل ہو سکتی ہے، وہ یہی ہے۔"

ریاست کے سربراہ بادشاہ کی سیرت پر بحث کرتے ہوئے شاہ صاحب لکھتے ہیں:۔
ضروری ہے کہ بادشاہ میں اخلاق فاضلہ ہوں۔ اگر ایسا نہ ہوگا، تو وہ ملک کے لئے بارگراں ثابت ہوگا۔ اگر بادشاہ بہادر نہ ہوگا، تو وہ اپنے مخالفین جنگجو لوگوں کا مقابلہ نہیں کر سکے گا اور رعایا اس کو حقارت کی نظر سے دیکھے گی۔ اگر حلیم و بردبار نہ ہوگا، تو اس کی سطوت سے رعایا ہلاک اور برباد ہو جائے گی۔ اگر عقل مند نہ ہوگا تو اصلاحی تدابیر مستنبط کرنے سے قاصر رہے گا۔ بادشاہ کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ عاقل بالغ ہو، حر ہو، مرد ہو۔ صاحب رائے و تدبیر ہو۔ سننے والا ہو۔ بہرہ نہ ہو۔ آنکھوں والا ہو۔ نابینا نہ ہو۔ صاحب بیان ہو۔ گونگا نہ ہو۔ اس کی اور اس کی قوم کی شرافت لوگوں میں مسلّم ہو۔ اس کے اور اس کے آباء و اجداد کے مآثر حمیدہ لوگ دیکھ چکے ہوں۔ لوگ جانتے ہوں کہ وہ ملک کی اصلاح میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کرے گا۔ حکمراں کے لئے یہ امور ایسے ہیں، جن کی عقل راہ نمائی کرتی ہے

اور بنی آدم کی تمام قومیں اس پر متفق ہیں۔ گو وہ دور دراز ممالک میں ایک دوسرے سے دُور ہی کیوں نہ آباد ہوں۔ اور ان کے ادیان ومذاہب میں کتنا ہی اختلاف کیوں نہ ہو۔ کیونکہ دنیا کی تمام قوموں کو اس کا احساس ہے کہ بادشاہ مقرر کرنے میں جو مصلحت ہے۔ اور بادشاہت کا جو اصل مقصود ہے، وہ ان امور کے بغیر پورا ہی نہیں ہو سکتا۔"

مندرجہ بالا اقتباس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ شاہ صاحب بادشاہ کے اوراوصاف کے علاوہ اس کے متعلق یہ رائے بھی رکھتے ہیں کہ بادشاہ کا تقرر ہوتا ہے، اور یہ لوگ ہی ہوتے ہیں، جو اس کا تقرر کرتے ہیں۔ غرض وہ اس کے قائل نہیں کہ بادشاہ چونکہ بادشاہ ہے اس لئے اسے لوگوں پر مسلط ہونے کا حق ہے۔ نیز بادشاہت کے چند مقاصد ہوتے ہیں۔ کہ اگر بادشاہ انہیں پورا کرتا ہے، تو وہ اس منصب کا اہل ہوتا ہے ورنہ نہیں، اس ضمن میں شاہ صاحب نے ایک بادشاہ کے جو اوصاف گنائے ہیں، وہ آج بھی ایک ریاست کے سربراہ کے لئے ضروری ہیں، خواہ وہ سربراہ وزیر اعظم ہوں یا صدر یا کسی پارٹی کا لیڈر۔ اگر کسی سیاسی پارٹی کے لیڈر کو سربراہِ ریاست بنتا ہے تو لازمی ہے کہ اسے اور اس کی پارٹی کو لوگ عزت کی نگاہ سے دیکھیں، اور انہیں یقین ہو کہ ان کے برسرِ اقتدار آنے سے ملک وقوم کا بھلا ہوگا۔

آگے چل کر شاہ صاحب بادشاہ کے مزید اوصاف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:- "بادشاہ کے لئے ضروری ہے کہ رعایا کے قلوب میں اپنی جاہ وحشمت کا سکہ بٹھائے اور جاہ وحشمت قائم ہو جانے کے بعد اس کی حفاظت کرے۔ اور اس میں رخنہ نہ پیدا ہونے دے۔ اور اس کے لئے ضروری ہوگا کہ وہ ان اخلاق فاضلہ سے اپنے آپ کو آراستہ کرے، جو اس کی سیادت کے لئے مناسب ہوں۔ مثلاً شجاعت، حکمت، سخاوت، اور عفو ودرگزر۔ وہ عامۃ الناس کے فوائد ومنافع کا پورا پورا خیال رکھے۔ وہ یہ امور اس طرح سرانجام دے کہ رعایا کے قلوب اس کے فضل وکرم اور اس کی برتری سے مطمئن ہو جائیں۔ ان کے قلوب اس کی محبت وتعظیم سے بھر جائیں۔ کوئی کام اس سے ایسا سرزد نہ ہونے پائے جس کی آڑ لیکر کوئی اس کی مخالفت پر اتر آئے۔ اور اگر کہیں کسی امر کے متعلق کسی قسم کی کچھ کوتاہی ہو جائے تو فوراً لطف واحسان سے اس کا تدارک کرے اور ظاہر کرے کہ جو کچھ کیا گیا ہے تمہاری ہی مصلحت کے لئے کیا گیا ہے۔"

اس ضمن میں وہ بادشاہ کے لئے ضروری قرار دیتے ہیں کہ وہ کسی پر سخت گیری نہ کرے۔ جب تک کہ وہ ارباب شعور ہی سے اس امر کی تحقیق نہ کرے کہ وہ سزا کا حقدار ہے اور یہ بھی دیکھ لے کہ مصلحت کلّی بھی اس کی مقتضی ہے۔

اس زمانے میں ایک حکومت کی جو حیثیت انتظامیہ کی ہوتی ہے، بادشاہت میں یہ فرائض بادشاہ کے معاونین سرانجام دیا کرتے تھے۔ معاونین کا وجود بادشاہ کے لئے ضروری ہوتا تھا۔ شاہ صاحب کے الفاظ میں "یہ ظاہر ہے کہ بادشاہ تن تنہا جملہ خدمات انجام نہیں دے سکتا اس لئے لابدی ہے کہ ہر ضرورت کے لئے اس کے معاونین ہوں۔ معاون کی شرائط میں سے ایک اہم شرط یہ ہے کہ وہ امانت دار ہو۔"

شاہ صاحب بادشاہ کے لئے یہ ضروری قرار دیتے ہیں کہ وہ ایسے شخص کو اپنا معاون نہ بنائے جس کا معزول کرنا دشوار ہو۔ ایسے شخص کو بھی معاون نہ بنائے، جو اس کا رشتہ دار ہو یا اس قسم کا کوئی اور تعلق رکھتا ہو۔ کیونکہ ایسے لوگوں کا معزول کرنا بہت سی خرابیوں کا موجب ہوا کرتا ہے۔

جو معاون نا اہل ہو، اور معاون ہونے کی جو شرائط ہیں، انہیں پورا نہیں کرتا، شاہ صاحب کے نزدیک وہ برطرفی کا مستحق ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ اگر بادشاہ ایسے شخص کی معزولی میں سستی کرتا ہے، تو وہ ملک کے ساتھ خیانت کرتا ہے اور خود اپنی ذات کے لئے خرابیاں پیدا کر رہا ہے۔

ٹیکس لگانے میں بادشاہ کو اس امر کا خیال رکھنا چاہیئے کہ ٹیکس انہی پر لگایا جائے، جو اسے دینے کے اہل ہیں۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں:- "...... اور یہ عشر و خراج عدل و انصاف کے طریقہ پر لیا جائے، جو رعایا کے حق میں کسی طرح ضرر رساں نہ ہو۔ اور ضروریات شہر کے لئے بھی کافی ہو جائے۔ یہ ٹھیک نہیں کہ ہر ہر شخص اور ہر قسم کے مال پر یہ بار ڈالا جائے آخر کوئی نہ کوئی وجہ ہے، جس کی بنا پر مشرق و مغرب کے سلاطین نے ارباب ثروت اور دولت مندوں کے بڑھنے والے مال پر ہی یہ محصول لگایا ہے" مسلمان اہل نظر و فکر کے ہاں ہمیشہ سے ایک عالمی سلطنت کا تصور رہا ہے۔ اور وہ اس کے قائل رہے ہیں کہ الگ الگ شہروں اور ملکوں کے فرمانرواؤں کے اوپر ایک اور فرمانروا ہونا چاہیئے، جو ان میں صلح و آشتی رکھ سکے۔ اس فرمانروا کو اصطلاحاً وہ خلیفہ کا نام دیتے ہیں۔

شاہ صاحب عالمی سلطنت کے اس تصور کو یوں پیش کرتے ہیں:- "........ جب ہر شہر کا ایک بادشاہ ہو گیا۔ اسے محصولات آنے لگے اور جبری لوگ اس کے پاس جمع ہو گئے تو ان کے طبائع اور استعدادوں کے اختلاف کی وجہ سے اس بات کا امکان پیدا ہو گیا کہ وہاں ظلم وجود ہوا اور لوگ راہ راست چھوڑ دیں۔ ایک دوسرے کے شہر پر حرص کی نگاہیں اٹھنے لگیں۔ بغض و عداوت کی بناء پر ایک دوسرے کی تخریب کی فکر، معمولی سے معمولی

جزئیات مثلاً مال و دولت کی طمع، زمین کی لالچ اور بغض و عناد کے ناپاک جذبات کی بنا پر باہم جنگ و جدال کے میدان گرم ہونے لگے۔ جب سلاطین میں اس قسم کے مہلک امراض کی کثرت ہو جاتی ہے، تو یہ مجبور ہو جاتے ہیں کہ اپنے لئے کوئی خلیفہ منتخب کریں"

اس کے بعد شاہ صاحب لکھتے ہیں:- جب خلیفہ کا تقرر ہو جائے اور وہ ملک کے سامنے اچھی سیرت پیش کرے اور تمام جابر اسی کے سامنے سرنگوں ہوں اور تمام بادشاہ اس کے فرماں بردار ہو جائیں تو سمجھ لو کہ خدا کی نعمت اپنے بندوں پر پوری ہو گئی خدا کی زمین اور خدا کے بندوں کو پورا اطمینان اور کامل سکون میسر آگیا۔

شاہ صاحب مسلمانوں کے لئے خلیفہ کا ہونا واجب ٹھہراتے ہیں۔ کیونکہ ان کے نزدیک بے شمار قومی اور ملی مصلحتیں ایسی ہیں، جو بغیر خلیفہ کے سرانجام نہیں پا سکتیں۔ یہ مصلحتیں اگرچہ بے شمار ہیں، لیکن یہ تمام کی تمام دو قسموں پر مشتمل ہیں۔ ایک وہ جن کا تعلق شہری سیاست اور ملکی تنظیم سے ہے اور دوسری وہ جن کا مرجع و مقصد اصلاحِ امت ہے۔ خلیفہ کے لئے شاہ صاحب نے کم و بیش وہی اوصاف ضروری قرار دیئے ہیں جن کا ذکر اوپر بادشاہ کے سلسلے میں ہو چکا ہے۔ اس کے بعد شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ:- نیز عام طور پر اس کے متعلق لوگوں کا خیال یہ ہو کہ شہری اور ملکی سیاست کے بارے میں وہ سرتاپا حق ہی کا اتباع کرتا ہے۔

وہ شرائط جو خلیفہ کے لئے ضروری ہیں، شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ یہ "ایسی ہیں کہ خود عقل انسانی اس کی رہنمائی کرتی ہے۔ تمام دور دراز شہروں اور ملکوں کے باشندے اور تمام مختلف ادیان و مذاہب کے پیرو مذکورہ شرائط پر متفق ہیں۔ کیونکہ وہ اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ یہ ایسی شرائط ہیں کہ جن کے بغیر نصبِ خلیفہ سے جو اصل مقصود ہے وہ پورا نہیں ہوتا۔ اور انہوں نے دیکھ لیا ہے کہ ان شرائط میں سے جب کوئی شرط مفقود ہوتی ہے، تو لوگ اسے خلیفہ بنانا مناسب نہیں سمجھتے اور اس سے دلی کراہت محسوس کرتے ہیں۔ اور اگر مجبوراً خاموش ہونا پڑتا ہے، تو دلوں میں غیظ و غضب کی آگ لئے خاموش ہو جاتے ہیں۔

یہ تو خلافت عمومی کا ذکر تھا۔ شاہ صاحب نے خلافتِ نبوت کی بعض اور صفات گنائی ہیں ریاست اور اس کے لوازم، سربراہِ ریاست اور اس کے ضروری اوصاف کا شاہ صاحب کے ہاں جو تصور ہے، اس کا مختصراً اوپر بیان ہو چکا۔ نظم و نسق ریاست کی اساس، ظاہر ہے، شہری اور عمرانی سیاست پر ہوتی ہے۔ اگر وہ صحت مند رہتی ہے تو یقیناً ریاست

کا وجود قائم رہتا ہے، اور اگر اس میں خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں، تو پھر ریاست کے شیرازہ کو پارہ پارہ ہونے سے کوئی نہیں بچا سکتا۔ شہری اور عمرانی سیاست پر بحث کرتے ہوئے شاہ صاحب لکھتے ہیں :۔ اہل شہر کے باہمی روابط کے لحاظ سے پورا شہر گویا ایک وحدت ہوتی ہے، جو چند اجزائے اجتماعیہ سے مرکب ہے۔ اور چونکہ شہر ایک اجتماع عظیم ہوتا ہے، اور مختلف قسم کی جماعتیں اور مختلف جذبات کے لوگ اس میں آباد ہوتے ہیں، اس لئے یہ ناممکن ہے کہ اس کے تمام باشندے کسی سنت عادلہ پر متفق الرائے ہو جائیں اور یہ بھی ناممکن ہے کہ بعض بعض کو ظلم و تعدی سے باز رکھ سکے۔ جب تک کہ ان میں کوئی ایک شخص ایک ایسے منصب عالی پر فائز نہ ہو، جو اپنی قوت سے تمام کو قابو میں رکھ سکے۔ جب تک ایسا نہیں ہے، ان میں باہمی جنگ و جدال کا بازار گرم رہے گا۔ اور لوگوں کی تنظیم اسی وقت ممکن ہو سکے گی، جب کہ جمہور کے اہل حل و عقد کسی ایک آدمی پر متفق ہو جائیں۔ اس کی اطاعت کریں۔ اور اس کے ساتھ اعوان و انصار کی ایک جماعت بھی موجود ہو اور وہ اپنی ذات سے صاحبِ شوکت و قسمت بھی ہو۔

شہری و عمرانی سیاست میں انتشار اس وقت پیدا ہوتا ہے، جب اس میں کئی طرح کے خلل در آتے ہیں۔ اخلاقی خلل، معاملات کے خلل، جو شاہ صاحب کے نزدیک شہری زندگی کے لئے سخت مضرت رساں ہوتے ہیں۔ مثلاً قمار بازی، سود در سود، رشوت ستانی۔ ناپ تول اور وزن میں دھوکا، لین دین کی چیزوں میں عیوب کو چھپانا، بے جا نفع اندوزی، غلط مقدمہ بازی اور کاروباروں میں عدم توازن جیسے مثال کے طور سے سب کے سب تجارت پیشہ بن جائیں اور زراعت وغیرہ کے کام ترک کر دیں یا تمام کے تمام جنگ کا پیشہ اختیار کر لیں۔

شاہ صاحب کے نزدیک یہ خلل اندازیاں شہری و عمرانی سیاست کو خراب کرتی ہیں اس کے برعکس وہ فرماتے ہیں :۔ شہروں کی کامل محافظت کا طریقہ یہ ہے کہ ایسی عمارات بنوائی جائیں، جن سے تمام اہل ملک کو فائدہ پہنچے۔ مثلاً شہر پناہیں بنائی جائیں سرائیں اور قلعے تعمیر کئے جائیں۔ ملک کی سرحدی حدود کا استحکام کیا جائے۔ بازار اور پل بنائے جائیں کنوئیں کھدوائے جائیں۔ چشمے اور نہریں نکالی جائیں۔ نہروں اور دریائے کے کناروں پر کشتیوں اور جہازوں کا نظام قائم کیا جائے اور تاجروں کو آمادہ کیا جائے کہ وہ باہر سے اجناس فراہم کر کے لائیں اور شہر کے باشندوں کو سمجھایا جائے کہ وہ باہر سے آنیوالوں کے ساتھ خوش معاملگی سے پیش آئیں۔ اس سے وہ زیادہ آئیں گے اور کسانوں کو ترغیب

دی جائے تاکہ وہ پوری توجہ کے ساتھ کھیتی باڑی کریں اور زمین کا کوئی حصہ بھی بیکار اور غیر آباد نہ چھوڑیں۔ صنعت و حرفت والوں کو آمادہ کیا جائے کہ وہ اپنی مصنوعات کو عمدہ سے عمدہ اور بہتر سے بہتر بناکر بازار میں لائیں۔ اور باشندگان شہر کو کہا جائے کہ وہ فضائل و اخلاق کی تحصیل کی طرف پوری توجہ کریں نوشت و خواند حساب اور تاریخ و طب وغیرہ سیکھیں۔ اور علم و معرفت کو ترقی دینے کے صحیح وسائل حاصل کریں اور یہ بھی ضروری ہے کہ شہر کی تمام خبریں ملتی رہیں تاکہ اچھے اور بڑے اور ضرورت مند لوگوں کا پتہ چلتا رہے۔ تاکہ ان کی اعانت کی جاسکے اور دست کاروں کے حالات کا بھی علم ہوتا رہے تاکہ قومی استفادہ کے لئے ان کی امداد اور اعانت کی جاسکے۔

شاہ صاحب کے زمانے میں معاشرے کی حالت بڑی خوار و زبوں تھی۔ اور اس کا اثر ریاست و مملکت پر بھی پڑ رہا تھا۔ اس پر بحث کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں کہ اکثر زمانے میں شہروں کی بربادی کے دو بڑے اسباب ہیں، ایک تو یہ کہ خزانے پر مفت خوروں کا بہت بڑا بوجھ ہے، دوسرے کسانوں تاجروں، پیشہ وروں اور دست کاروں پر گراں بہا ٹیکس لگائے جا رہے ہیں۔ اس سلسلے میں وہ ایک جگہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سعید میں قیصر و کسریٰ کی جو حکومتیں تھیں ان کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ غیر معتدل مرفہ الحالی اور مفرطانہ عیش پرستی نے انہیں کھوکھلا کر دیا تھا۔ اس لئے قضائے الٰہی کی طرف سے مقدر ہوا کہ انہیں ختم کر دیا جائے۔

شاہ ولی اللہ صاحب نے ریاست اور معاشرے کے متعلق یہ ساری بحثیں آج سے دو سو سال پہلے ایک بالکل مختلف ماحول میں کی تھیں جس کی یقیناً ذہنی و علمی فضا اور تھی اور اس کے معاشی، اجتماعی اور سیاسی مسائل بالکل دوسرے تھے۔ اس لئے لامحالہ ان کو وہ زبان اور اصطلاحات استعمال کرنی پڑیں جو آج ہماری زبان اور اصطلاحات نہیں ہیں، لیکن شاہ صاحب کے پیش نظر جو اصل مقصود تھا، وہ آج بھی ہمارے لئے اتنا ہی اہم ہے، جتنا اس زمانے میں تھا۔ ایک صحت مند معاشرہ ہی ایک مضبوط اور پائدار ریاست کی بنیاد بن سکتا ہے اور ایک ریاست اس وقت تک مضبوط اور پائدار نہیں ہو سکتی، جب تک وہ مقامی ملکی اور قومی ضرورتوں کے ساتھ ساتھ ہمہ جہتی انسانی و عالمی ضروریات کا لحاظ رکھے۔ شاہ صاحب نے ان مباحث میں انہی امور کو پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔